بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرات

اول تو ہمارے ملک میں مسلمانوں کے اپنے اخبار ہی کتنے ہیں اور جو گنے چنے ہیں بھی تو اُن کا حال یہ ہے کہ اُن میں آپس میں اتفاقِ خیال اور اتحادِ رائے بالکل نہیں۔ چنانچہ اگر آج کوئی ایک شخص ان تمام مسلم اخبارات کو سامنے رکھ کر یہ معلوم کرنا چاہے کہ بھارت کے مسلمانوں کا حال کیا ہے؟ اُن کے افکار و جذبات کیا ہیں؟ اُن کے مطالبات اور اُن کی شکایتیں کیا ہیں؟ اور اُن کے وہ کون سے معاملات و مسائل ہیں جن کا حل وہ دریافت کرنا چاہتے ہیں؟ تو اس شخص کو کامیابی نہیں ہو سکتی۔ وہ ان تمام جرائد و رسائل کو دیکھنے کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ جو اداروں کا حال ہے وہی مسلمانوں کا بھی ہے۔ یعنی کسی کی رائے کچھ ہے اور کسی کی کچھ۔ پوری مسلمان قوم کا نہ کوئی متحدہ مطالبہ ہے نہ کوئی شکایت ہے اور اُن کا نہ کوئی ایسا اجتماعی احساس ہے جس کو ہم قومی احساس اور ملی شعور کہہ سکیں۔ جہاں تک سیاسیات اور مذہب کے علاوہ دوسرے امور کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ ایک جمہوری ملک میں ان پر سب کا اتفاق نہیں ہو سکتا کیوں کہ ان امور پر فرقہ وارانہ نقطۂ نظر سے غور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اگر ان معاملات میں مسلم اخبارات باہم متفق نہیں تو یہ نہ افسوس کی بات ہے اور نہ اس سے کوئی برائی لازم آتی ہے۔ لیکن بڑے افسوس اور شرم کی بات تو یہ ہے کہ یہ اخبارات اُن معاملات و مسائل میں بھی متفق نہیں جو مسلمانوں کے خالص دینی اور مذہبی مسائل ہیں اور وہ بھی فروعی اور جزئی نہیں بلکہ اصولی اور بنیادی ہیں۔ مثلاً پچھلے دنوں مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب کا ایک بیان گاندھی جی کی پرارتھنا کی نسبت شائع ہوا تھا یقین تھا کہ کم از کم یہ ایک معاملہ تو ایسا ہے جس پر کہیں کسی مسلم حلقہ سے اختلاف کی آواز بلند نہیں ہو گی یہی حال توہینِ انبیاء اور اہانتِ رسول کے دو تین واقعات کا ہے جو ابھی پچھلے دنوں پیش آ چکے ہیں وہ کون بدبخت مسلمان ہو گا جس کے قلب و جگر پر ان واقعات سے نشتر نہیں لگا ہو گا مسلمان تو مسلمان خود ہندو اور سکھ

نے ان واقعات کے خلاف احتجاج کیا اور حکومت سے استدعا کی کہ آئندہ اس طرح کے واقعات کا سدِباب کرنے کے لئے مؤثر عملی اقدام کرے اور اگر قانون میں کہیں کوئی خلا ہے تو پارلیمنٹ کے ذریعہ اس کا انتظام کیا جائے لیکن بُرا ہو مسلمانوں کے انتشارِ خیال اور اُن کی آپس کی پھوٹ کا کہ اس نوع کے زہرہ گداز واقعات کی اشاعت اور ان پر سنجیدہ و معتدل احتجاج بھی ان کے اختلاف کا محاذ اور ظلمی جولاں گاہ بن گیا۔

جو لوگ مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب کے مذکورہ بالا بیان سے صاف اور کھلے لفظوں میں اختلاف کی جرأت نہیں رکھتے تھے انھوں نے کچھ اور نہیں تو چلتے چلتے یہی ریمارک کر دیا کہ یہ گیت تو عرصہ سے ہندوستان کے قریہ قریہ اور شہر شہر میں گایا جا رہا ہے تو پھر مولانا نے آج تک اس کے خلاف کیوں احتجاج نہیں کیا۔ گویا مقصد یہ ہے کہ مولانا کا کوئی ایک عمل بھی بے داغ اور بے لوث نہ رہے۔ درحقیقت اس طرح کے ریمارک دل کی اُس کیفیت کے آئینہ دار ہیں جو جماعتی تحزب اور گروہ بندی کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں اور جس کی وجہ سے افراد میں اس بات کی صلاحیت بالکل مفقود ہو گئی ہے کہ وہ اپنے خالص دینی اور مذہبی معاملات پر بھی خالصتاً لوجہ اللہ غور و فکر کر سکیں۔

یہ دو چار اکا دکا نہیں۔ ایک لادینی حکومت میں مسلمانوں کے سامنے ایسے معاملات برابر پیش آتے رہیں گے جن کے بارہ میں ان کو اپنی مذہبی تعلیمات کو واضح کرنا ہوگا اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ان سے متعلق اپنی پوزیشن متعین کر کے دوسروں کو اُس سے باخبر کرنا ہوگا۔ مثلاً بجلی کے ذریعہ جانور ذبح کرنا۔ تعدادِ ازدواج۔ بین الاقوامی شادی وغیرہ! اب ذرا سوچئے اگر اختلافِ خیال کا عالم یہی ہے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا! کیا آپ کی کوئی ایک بات بھی ایک متفقہ قومی مطالبہ کی حیثیت سے تسلیم کی جا سکے گی؟ آخر انجام یہی ہوگا کہ جس طرح انگریزوں کے زمانہ میں ایسے مولوی اور مفتی پیدا ہو گئے جنھوں نے انگریزوں کے ہر عمل و فعل کے لئے یہاں تک کہ ترکوں سے خود مسلمانوں کو لڑانے کے لئے بھی سندِ جواز پیش کر دی اور ہر فتویٰ کے مقابلہ میں ایک فتویٰ۔ ہر مذہبی تحریر کے مقابلہ میں ایک مذہبی تحریر سامنے لا رکھی۔ اسی طرح اب اس آزادی کے دور میں بھی یہی ہوگا اور اس سے اسلام اور مسلمانوں کا جو انجام ہوگا وہ ظاہر ہے۔

ان سطور کا مقصد خدانخواستہ نہ کسی پر طعن و تعریض ہے اور نہ کسی خاص فرد یا جماعت کی مذمت! بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ کم از کم اپنے خالص دینی معاملات میں ہم آپس کے اختلاف کو سطح پر نہ آنے دیں اور اس سلسلہ میں پبلک میں جو مطالبہ رکھیں وہ متفقہ